

قربانی اور فلسفہ قربانی

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

دنیا کا نظام جن الہی قوانین پر قائم ہے ان میں سے ایک قانون یہ بھی ہے کہ اشیا کو ان کے کمالات کی طرف ترقی دینے میں جس طرح مبداء فیاض کی طرف سے علی قدر مراتب جو دو بخشش کا فیضان ہوتا ہے اسی طرح خود اشیا کو بھی کمال کے ہر نئے مرتبے میں اپنے پچھلے مرتبے کے لوازم اور مالوفات و مرغوبات کو قربان کرنا پڑتا ہے اور اس قربانی کے بغیر تحصیل کمالات کے سفر میں وہ ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتیں۔ بخار کو پانی بننے کے لیے اپنی آزادی اور ہوائیت کو قربان کرنا پڑتا ہے اور وہ تہذیبات قبول کرنا ہوتے ہیں جو مائیت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ پانی کو برف بننے کے لیے پھر اپنی رہی سہی آزادی سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے اپنے بہت سے آبی خواص کی قربانی دینی ہوتی ہے تب جا کر اُسے پتھر کی سی سختی اور ششے کی سی صفائی اور چمک میسر ہوتی ہے۔ یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ بخار کے لیے حالت بخار میں رہتے ہوئے اور ہوا کی سی آزادی و لطافت رکھتے ہوئے وہ کمالات بھی جمع ہو جائیں جو صورت مائیت کے ساتھ مخصوص ہیں اور وہ کمالات بھی جو برف کے لیے مقدر کیے گئے ہیں۔

یہ سنت اللہ ہے جس میں کوئی استثنا اور تغیر و تبدل نہیں؛ وَلَئِنْ تَحَدَّيْنَا لِلَّهِ تَنْبِيْلاً (الصفح ۲۸: ۲۳)۔ تمام مخلوقات عالم پر یہی قانون جاری ہے اور سب کی طرح انسان بھی اسی کے زیر اثر ہے۔ نطفہ اپنی صورتِ نطفیہ کو قربان کر کے صورتِ انسانیہ حاصل کرتا ہے بچہ اپنے بچپن کو قربان کر کے جوانی حاصل کرتا ہے اور جوان اپنی جوانی کھو کر بڑھاپے کی بزرگی حاصل کرتا ہے۔

پھر زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس میں ترقی کرنے اور اعلیٰ مراتب تک پہنچنے کے لیے انسان کو کچھ نہ کچھ قربانیاں نہ دینی پڑتی ہوں۔ بڑائی اور بزرگی کا دامن ہر میدان میں قربانی اور ایثار کے ساتھ وابستہ ہے۔ ایک بڑے فائدے کے لیے بہت سے نقصانات برداشت کرنے پڑتے ہیں، ایک بڑی لذت کے لیے بہت سی تلخیاں گوارا کرنی پڑتی ہیں، ایک اعلیٰ مرتبے کے لیے بہت سے اُن مزوں کو ہاتھ سے دینا پڑتا ہے جو ادنیٰ مراتب میں حاصل تھے۔ جس علامہ کی جلالتِ علمی پر آپ رشک کرتے ہیں اُس سے پوچھیے کہ اس نے کتنی راتیں آنکھوں میں کاٹی ہیں اور کتنا خون جگر تحقیق و اکتشاف کی راہ میں کھپایا ہے؟ جس مملکتِ اُتجار کی دولت کو دیکھ کر آپ کے منہ میں پانی بھرا آتا ہے اس سے پوچھیے کہ روپیہ کمانے کی جدوجہد میں کس طرح اس نے دن کے آرام اور رات کے چین کو اپنے اُوپر حرام کر لیا ہے؟ جس مدبرِ سلطنت کے اقتدار اور شان و شوکت کو دیکھ کر آپ کی آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی ہیں اس سے پوچھیے کہ اسے کتنی کش مکش، کتنی پریشانیوں، کتنی ٹھوکروں، اور کتنی روحانی و جسمانی اذیتوں کے بعد اس مقام تک پہنچنا نصیب ہوا ہے؟ غرض زندگی کا کوئی میدان لے لیجیے ہر جگہ آپ یہی دیکھیں گے کہ کمال اور ترقی کا ہیوولی لذتوں کے خون سے تیار ہوتا ہے اور کمال کے مراتب جتنے بلند ہوتے ہیں ان کے لیے قربانیاں بھی اتنی ہی زیادہ درکار ہوتی ہیں۔

دنوی کمالات سب کے سب جزئی کمالات ہیں، اس لیے وہ قربانیاں بھی صرف جزئی چاہتے ہیں۔ دنیوی کمالات جتنے ہیں سب مادی ہیں یا ان میں مادے کی آمیزش ہے، اس لیے وہ قربانیاں بھی ایسی ہی چاہتے ہیں جو مادی قسم کی ہوں یا مادے سے لگاؤ رکھتی ہوں۔ دنیوی کمالات کا مقصود نفس یا تعلقاتِ نفس کے لیے فوائد کا حصول ہوتا ہے، لہذا ان کے لیے صرف وہ چیزیں قربان کی جاتی ہیں جو نفس اور اس کے محبوبات و مطلوبات سے ماسوا ہیں۔ مگر کمالِ حقیقی کا معاملہ سب سے جداگانہ ہے۔ یہ کئی کمال ہے، قربانی بھی کئی چاہتا ہے۔ مادے سے مجرد و منزه ہے، اس لیے جسم کی نہیں نفس و روح کی قربانی چاہتا ہے۔ گونپاہری شکل کے اعتبار سے اس کے لیے بھی بہت سی ایسی قربانیاں دینا پڑتی ہیں جو مادی قسم کی ہیں، یا مادے سے لگاؤ رکھتی ہیں، لیکن دراصل وہ مادے کی قربانیاں نہیں ہیں بلکہ ان محبتوں، ان دل چسپیوں، ان لذتوں اور ان علاقوں کی قربانیاں ہیں جو انسانی روح اس دنیا کی مادی اشیاء کے ساتھ رکھتی ہو۔ اس کمال کا مقصود نفس یا تعلقاتِ نفس نہیں

بلکہ حق ہے، اس لیے وہ خود نفس کی قربانی چاہتا ہے اور بشرط ضرورت نفس کے ساتھ ہر وہ شے اس کے لیے قربان کرنی پڑتی ہے جو نفس کو مرغوب ہو۔

یہی نکتہ ہے جسے قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ (ال عمران ۹۲:۳)

یعنی تم نیکی کے مقامِ رفیع تک پہنچ نہیں سکتے جب تک کہ وہ چیزیں نہ خرچ کرو جنہیں تم عزیز و محبوب رکھتے ہو۔ یہ مِمَّا تُحِبُّونَ کا لفظ اتنی وسعت رکھتا ہے کہ جان، مال، اولاد، رشتہ دار، دوست، وطن، قوم، عزت، شہرت، ہر لذت و مسرت، عیش و آرام، عقائد و افکار، حریت خیال و آزادی عمل، غرض ہر محبوب شے اس میں داخل ہے، اور ان سب چیزوں کو مِمَّا تُحِبُّونَ کے دائرے میں لے کر حکم لگایا گیا ہے کہ اگر تم 'نیکی' کے اعلیٰ مراتب تک پہنچنا چاہتے ہو تو تمہیں حق کی خاطر ان میں سے ہر چیز قربان کرنا پڑے گی۔ حق سب سے زیادہ اس کا مستحق ہے کہ تم اس سے محبت رکھو وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (البقرہ ۲:۱۶۵) جو چیز تمہارے دل میں اتنا گھر کر لے گی کہ اس کی محبت حق کی محبت سے بڑھ جائے اور حق کے مقابلے میں تم اس کو عزیز رکھنے لگو، وہی بت ہے، صنم ہے، بناے شرک و کفر ہے، نیکی کے مقام تک پہنچنے میں وہی سنگِ راہ ہے۔ اس کمال کو حاصل کرنا چاہتے ہو تو پہلی ضرب اسی بت پر لگاؤ اور اسے پاش پاش کر کے حق کی محبت کو سب محبتوں پر غالب کر دو۔

غور سے دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ اسلام میں اوّل سے لے کر آخر تک جو کچھ ہے قربانی ہی قربانی ہے۔ اسلام میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے انسان کو آزادی فکر و آزادی عمل کی قربانی دینی پڑتی ہے۔ 'اسلام لانے کے معنی ہی یہ ہیں کہ اب آپ اس کے لیے آزاد نہیں ہیں کہ جو عقیدہ چاہیں اختیار کریں اور جو راہ عمل پسند کریں اس پر چلنے لگیں بلکہ آپ کا کام وہ اعتقاد رکھنا ہے جو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا ہے اور ان احکام و قوانین کے مطابق چلنا ہے جو خدا اور اس کے رسول نے مقرر کر دیے ہیں:

إَتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ، (الاعراف

(۳:۷)

جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تمہاری جانب اتارا گیا ہے اس کی پیروی کرو اور

اسے چھوڑ کر ان کی پیروی نہ کرو جن کو تم نے دوست بنا لیا ہے۔

یہ 'اسلام' یا 'نیکی' کے راستے میں پہلا قدم ہے، اور اسی پر اتنی بڑی قربانی دینی پڑتی ہے کہ اچھے اچھے اسی مقام پر ڈگمگا جاتے ہیں۔ یہاں زندگی کے ہر شعبے میں حلال اور حرام کے حدود ہیں، خبیث اور طیب کے امتیازات ہیں، فرائض و طاعات ہیں، حقوق و واجبات ہیں جن کو اللہ اور اس کے رسولؐ نے مقرر کیا ہے۔ داعیاتِ نفس قدم قدم پر انسان کو اہم و عہد وان کی طرف کھینچتے ہیں، مگر اسلام مطالبہ کرتا ہے کہ حدود اللہ پر نفس کی ساری خواہشوں کو بھینٹ چڑھاؤ، لذتوں کا خون کرو، فائدوں کو قربان کر دو۔ یہ تقویٰ اور پاکیزگی کی راہ بال سے زیادہ باریک ہے۔ اس پر ایک قدم بھی انسان اپنے جذبات و داعیات، اپنے لطف اور اپنے فوائد کی قربانی دینے بغیر نہیں چل سکتا۔ فضل و احسان کا مقام تو بہت بلند ہے، فرائض و واجبات کے ٹھیک ٹھیک بجالانے میں حقوق کو پوری طرح ادا کرنے اور گناہ کے راستوں سے بچ نکلنے ہی میں نفس پر کچھ کم جبر نہیں کرنا پڑتا۔

جیسا کہ عرض کیا گیا، یہ تو صرف پہلا ہی قدم ہے، یہ پورا اسلام نہیں ہے، بلکہ اسے محض اسلام میں داخلے کا امتحان سمجھیے۔ اسلام صرف یہی نہیں ہے کہ آپ نماز پڑھیں، روزہ رکھیں، بشرط استطاعت حج اور زکوٰۃ ادا کریں، معاصی سے محترز رہیں اور حقوق ادا کرتے رہیں، بلکہ اسلام کی اصلی روح یہ ہے کہ آپ حق کو دنیا کی ہر شے سے زیادہ عزیز رکھیں اور جب موقع آئے تو کسی چیز کو بھی حق پر فدا کر دینے میں دریغ نہ کریں۔ اگر کوئی ایسا وقت آجائے کہ ایک طرف حق ہو اور اس کے ساتھ جان و مال کا زیاں ہو، مصیبتیں اور تکلیفیں ہوں، رسوائیاں اور ٹھوکریں ہوں، اور دوسری طرف باطل ہو، اور اس کے ساتھ عیش و آرام ہو، لطف و مسرت ہو، اور ہر طرح کے فائدے ہوں، تو مسلمان وہی ہے جو حق کے پہلو کو اختیار کرے، اور اس کی خاطر ان سب مصائب کو بخوشی برداشت کر لے:

وَلْيَبْذُلُوا نَفْسَهُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ
وَالْأَنْفُسِ وَالْعَمَلِ ط وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْبَيِّنَاتِ ۖ إِذَا آصَابَتْهُمْ
مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَأَنَا لِيُهِ رَاجِعُونَ ۝ (البقرہ ۲: ۱۵۵-۱۵۶)

ہم ضرور تم کو کچھ خوف اور بھوک اور جان و مال اور ثمرات کے زیاں سے آزمائیں گے، اور (اے نبیؐ) تو ان صبر کرنے والوں کو بشارت دے دے جن پر اگر کوئی مصیبت

آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم خدا ہی کے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف پھرنا ہے۔
اگر کسی وقت خود اپنے باپ بھائی، اہل خاندان اور دوست، حق کے دشمن ہو جائیں تو
مسلمان وہی ہے جو حق کے لیے ان سب کو چھوڑ دے اور کسی سے تعلق نہ رکھے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ
وَدُسُوقَهُ وَكَوْكَأُنُوعًا أَبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ
عَشِيرَتَهُمْ - (المجادلہ ۵۸: ۲۲)

تو کوئی قوم ایسی نہ پائے گا جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان بھی رکھتی ہو اور پھر اللہ اور اس
کے رسول کے دشمنوں سے محبت بھی رکھے، چاہے وہ دشمنانِ خدا و رسول ان کے
باپ یا بھائی یا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔

اگر کسی وقت قوم اور وطن کی حق سے دشمنی ہو جائے تو مسلمان وہی ہے جو حق کی خاطر قوم
سے قطع تعلق کر لے اور وطن کو خیر باد کہہ دے، ورنہ اس کو منافق کہا جائے گا خواہ وہ کیسا ہی نمازی
پرہیزگار ہو:

فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ -
(النساء: ۴: ۸۹)

تم ان کو ہرگز دوست نہ بنانا جب تک کہ وہ خدا کی راہ میں ہجرت نہ کریں۔
اگر کسی وقت دشمنانِ اسلام کے خلاف جنگ کی ضرورت پیش آجائے تو مسلمان وہی ہے
جو سر ہتھیلی پر لے کر مرنے اور مارنے کے لیے نکل آئے، اور حق کی خاطر جان قربان کر دینے میں
ڈرا در بیخ نہ کرے۔ جس نے اس موقع پر کوتاہی کی، اس کا دعویٰ اسلام جھوٹا ہے خواہ کتنا ہی بڑا
عابد و زاہد کیوں نہ ہو۔

وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَيْنِ فَيَاذَنِ اللَّهُ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ○
وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا (ال عمران ۱۶۶: ۳-۱۶۷)

جس روز دونوں جماعتوں کی مڈ بھیر ہوئی، اس دن تم پر جو مصیبت آئی وہ اللہ کے حکم
سے تھی اور اس لیے تھی کہ مومنوں اور منافقوں کا فرق معلوم ہو جائے۔

غرض اسلام کچھ نہیں ہے مگر حق پر فدا ہو جانے اور ہر عزیز سے عزیز شے فدا کر دینے کا ایک عاشقانہ جذبہ۔ جس شخص میں یہ جذبہ موجود نہ ہو جو شخص حق کے مقابلے میں جان یا مال یا اولاد یا ملک و قوم یا کسی اور دنیوی چیز کو عزیز رکھتا ہو اس کا اسلام ادھ موا بلکہ بے جان ہے۔

قرآن مجید میں طرح طرح سے اس سچی اسلامی روح کو پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اسی غرض کے لیے پچھلی امتوں کے انبیاء اور صالحین کے فداکارانہ واقعات کو موثر پیرائے میں دہرایا گیا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو حق کی طرف بلا تے ہیں، سالہا سال بلکہ قرنہا قرن تک شدید مصائب برداشت کرتے ہیں اور جب وہ نہیں مانتی تو خدا سے عرض کرتے ہیں کہ خدایا! ان کافروں میں سے ایک کو بھی جیتا نہ چھوڑو، رَبِّ لَا تَذُرْ عَلٰی الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيّٰرًا (نوح ۷۱: ۲۶)۔ ان کی آنکھوں کے سامنے بیٹا غرق ہوتا ہے، بیوی ہلاک ہوتی ہے، مگر ایمان میں ذرا فرق نہیں آتا۔ حضرت لوط علیہ السلام اپنی بدکار قوم کو چھوڑ کر ہجرت اختیار کرتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ کی طرف بلایا جاتا ہے اور قید و زلت کی دھمکی دی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ مجھے گناہ کے مقابلے میں قید زیادہ محبوب ہے، رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيّْٖ مِمَّا يَدْعُوْنِيْۤ اِلَيْهِ (يوسف ۱۲: ۳۳)۔ فرعون کے ساحر حق کے ظاہر ہو جانے کے بعد بے تکلف اعلان کر دیتے ہیں کہ اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ رَبِّ مُوسٰى وَهٰرُونَ (الاعراف ۷: ۱۲۱-۱۲۲) ”ہم پروردگار عالم پر ایمان لے آئے جو موسیٰ اور ہارون کا خدا ہے“۔ فرعون ان کو سخت عذاب دے کر ہلاک کر دینے کی دھمکی دیتا ہے تو وہ صاف کہہ دیتے ہیں کہ فَاَقْبِضْ مٰا اَنْتَ قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْبِضُنِيْۤ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا (طہ ۲۰: ۷۲) ”تجھے جو کچھ کرنا ہے کر گزر۔ تیرا حکم تو بس اسی دنیا کی زندگی پر چل سکتا ہے“۔ اصحاب کہف اپنی قوم کے مذہب سے علانیہ تمہری کرتے ہیں کہ ہم خداوند ارض و سما کو چھوڑ کر کسی کی عبادت نہ کریں گے، رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا (الکہف ۱۸: ۱۴) ”اور جب قوم کے راستے سے ان کا راستہ الگ ہو جاتا ہے تو گھربار عزیز اقرار سب کو چھوڑ کر ایک غار میں جا بیٹھتے ہیں“۔

ان سب سے بڑھ کر حضرت ابراہیمؑ کی فداکاریاں تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے

لیے اسوۂ حسنہ فرمایا ہے۔ انھوں نے حق کی خاطر وہ سب کچھ قربان کیا جو دنیا میں ایک انسان کو عزیز ہو سکتا ہے۔ باپ دادا کے مذہب کو چھوڑا اور صاف اعلان کیا کہ تمہارے معبودوں سے مجھے کچھ سروکار نہیں اِنِّسِنِي بَرَاءَةً وَمِمَّا تَعْبُدُونَ (الزخرف ۲۶:۴۳) قوم اور سلطنت اور خود اپنے باپ سے دشمنی مول لی۔ ان کے بتوں کو توڑا، قوم نے ان کو آگ کا عذاب دینا چاہا تو انھوں نے آگ کے گڑھے میں گرنا قبول کیا مگر حق کو چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ پھر اپنے باپ اپنے خاندان اور اپنی قوم سے کٹ کر چھوڑ کر وطن سے تن بہ تقدیر نکل کھڑے ہوئے اور سب سے کہہ دیا کہ ہمارا اب تم سے کچھ تعلق نہیں ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی ہو گئی تا وقتیکہ تم خدائے واحد پر ایمان نہ لاؤ، كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحَدَّةً (الممتحنہ ۴:۶۰)۔ یہ سب محبتیں قربان کر دینے کے بعد ایک محبت باقی رہ گئی تھی جو حق کی محبت کے پہلو بہ پہلو دل میں جاگزیں تھی۔ حکم ہوا کہ اس بت کو بھی توڑو۔ خواب میں دکھایا گیا کہ اپنے ہاتھوں اپنے عزیز بیٹے کو جو بڑھاپے کی لکڑی تھا ذبح کر رہے ہیں۔ حضرت حق آزمانا چاہتے تھے کہ یہ دوستی کا مدعی اولاد کی محبت کو بھی ہماری محبت پر قربان کرتا ہے یا نہیں، مگر وہ سچا مسلمان اس آزمائش میں بھی پورا اُترا۔ اس کا دعویٰ عشق سچا تھا۔ جو کچھ خواب میں دیکھا تھا، بیداری میں بھی کر دکھانے پر آمادہ ہو گیا۔ اس طرح جب حق کی محبت پر ساری محبتیں قربان ہو گئیں، تب بارگاہِ خداوندی سے اپنے اس بندے کو ایمان کی سند دی گئی اِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ (الصُّفَّت ۱۱۱:۳۷) اور اسے نوعِ بشری کا امام بنایا گیا اِنِّسِنِي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (البقرہ ۱۲۴:۲)۔ اور تمام عالم کے مسلمانوں سے کہا گیا کہ تمہارے لیے اس کی اور اس کے ساتھیوں کی زندگی ایک قابلِ تقلید نمونہ ہے قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْ اَبْرَاهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ (الممتحنہ ۴:۶۰)۔

عید الاضحیٰ کا تہوار اسی روح کو سال بہ سال تازہ کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ قربانی کی طاہری شکل، جانور پر چھری چلانا اس کا خون بہانانیِ نفسہ مقصود نہیں ہے، بلکہ ان ظاہری اعمال سے دراصل اس سب سے بڑی قربانی کی یاد تازہ کرنا مقصود ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے محبوبِ حقیقی کے لیے دی تھی۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ یہ فعل عبث ہے، ایک جانور کو ذبح کر دینے

سے کیا فائدہ؟ مگر کوئی ان سے پوچھے کہ مہذب قومیں جو بڑے بڑے آدمیوں کے مجسمے نصب کرتی ہیں اور ان کی برسیاں مناتی ہیں ان سے کیا حاصل ہوتا ہے؟ یہی ناکہ ان ظاہری علامتوں سے ان کے کارناموں کی یاد تازہ ہوتی ہے اور ان کی تقلید کا جذبہ دلوں میں زندہ ہوتا ہے۔ بس یہی فائدہ اس قربانی کا بھی ہے۔ خدا کو جانور کا گوشت پوست اور اس کا خون نہیں پہنچتا بلکہ وہ ایثار و فدویت کی روح اس کو عزیز ہے جو اس کے پاک بندے ابراہیمؑ کے رگ و پے میں جاری و ساری تھی اور وہ چاہتا ہے کہ ہر مسلمان میں یہی روح پیدا ہو، ہر مسلمان اسی طرح اپنی تمام محبتوں کو حق کی محبت پر قربان کرنے کے لیے آمادہ رہے۔

لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ
(الحج ۲۲:۳۷) اللہ کو ان کے گوشت اور ان کے خون نہیں پہنچتے بلکہ اسے تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

(اشارات، ترجمان القرآن جلد ۳، عدد ۶، ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ فروری ۱۹۳۳ء، ص ۲-۱۰)

سمع و بصر کی ایک اور منفرد پیش کش پنج سورۃ

الملک - المزمّل - الرّحمن - الواقعة - یسّ

دو سی ڈی (VCD) کا
خوب صورت کیس
ہدیہ: ۵۰ روپے

تلاوت: علی عبدالرحمن العنیزی
تعارف و ترجمہ: سید ابوالاعلیٰ مودودی
عظیم سرحد کی آوازیں

یہ بھی دستیاب ہیں

۱- تفہیم القرآن چھ آڈیو (mp3) سی ڈی۔ ہدیہ: ۲۲۵ روپے

۲- ترجمہ قرآن دو آڈیو (mp3) سی ڈی۔ ہدیہ: ۵۰ روپے

لاہور: سمع و بصر، منصورہ فون: 5411546 فیکس: 5432194
کراچی: مکتبہ معارف اسلامی، D/35 بلاک 5، فیڈرل بی ایریا، فون: 6349840
اسلام آباد: الابلاغ، 6- کاغان روڈ ایف 8 مرکز، فون: 2281420


SAMA-BASAR
سمع و بصر